اقبال کا تصورِ مذہب

ڈاکٹر آصف اقبال خاں

فکر اقبال کا بنیادی موضوع اسلام ہے۔ اقبال کے ہاں مذہب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ مذہب ہی کو انسانی زندگی کے مکمل اظہار کے قابل قرار دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اقبال کے مذہبی افکار پر بھی مغربی مفکرین کا اثر نظر آتا ہے' خصوصاً صوفی وارده کی نوعیت' مذہبی زندگی کے نفسیاتی پہلو اور فلسفیانہ اصطلاحات کے استعمال میں معاصر مغربی فلسفے سے بہت کچھ مستعار لیا گیا ہے۔ تاہم فکر اقبال کا مطمح نظر اور منزل مقصود' کم و بیش' قرون وسطیٰ کے عظیم مسلمان فلاسفہ کے نقطۂ نگاہ سے ہم آہنگ رہتے ہوئے مذہب اور جدید سائنس اور منطق کے درمیان مطابقت اور توازن کا حصول ہی ہے۔ اسلام میں دینی فکر کی تعمیر نو (Reconstruction of Religious thought in Islam) میں یہی بنیادی مقصد ایک راہنما اصول کے طور پر اقبال کی فکر پر حاوی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے خطبات کے پیش لفظ میں خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ "یہ کتاب دراصل عصر حاضر کی فکری پیش رفت اور ترقی کی روشنی میں اسلام کی فکری روایت کے پیش نظر اسلامی مذہبی فکر کی تعمیر نو کی ایک کوشش ہے" چنانچہ اس حقیقت کا ادراک لازم قرار پاتا ہے کہ عملی' سائنسی اور ذہنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس سعی سے بہتر نظریات پیش کرنا ممکن ہے' چنانچہ اقبال فکری ارتقاء کی ضرورت کے پیش نظر ایسی تحقیق و جستجو کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جس کے نتیجے میں سائنس اور مذہب میں ہم آہنگی سے متعلق نئے باب سامنے آتے رہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اقبال کے پاس فلسفہ جدید اور سائنسی ترقی کی روشنی میں مذہبی فکر کی تفسیر اور تعمیر نو کا کوئی معقول جواز موجود ہے۔ اسلامی فکر کی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں غزالی' ابن خلدون اور ابن تیمیہ اسی نوع کے رجحانات کے خلاف مصروف عمل رہے ہیں۔

اس سلسلے میں دو اہم نکات کو پیش نظر رکھنا مناسب نظر آتا ہے:۔

۱۔ کیا خود اسلامی تعلیمات کے اندر ایسی تعمیر نو کی گنجائش موجود ہے؟ (خصوصاً اسلام کے اپنے حقیقت پسندانہ متحرک و مستعد اور ترقی پسندانہ موقف کے حوالے سے)

۲۔ مغرب کی مادی ترقی کے مقابلے میں بیسویں صدی کے مسلمانوں کی معاشی، سیاسی، علمی اور سائنسی پسماندگی

بلاشبہہ اقبال سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ وہ رسوم پرستی، علم دشمنی، جہالت اور تعصب جیسے رجعی رجحانات کا ساتھ دیں گے۔ ممکن ہے کہ ان کی فلسفے اور مذہب میں ارتباط کی سعی کے عملی محرکات ہوں۔ بظاہر ان کے سامنے بنیادی مقصد امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ ہے جس کے حصول کے لیے وہ تنزل پسند طاقتوں کے خلاف پیہم مصروف پیکار ہیں۔

ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا فلسفے کا کوئی عقلی اور منطقی طریقہ مذہب کے میدان میں موزونیت کے ساتھ لاگو کیا جاسکتا ہے۔ اقبال نے اس مسئلے کا حل، مذہبی وارده کے اندر علمی وارده کی (Cognition) اور مقرون (Concrete) ماہیت میں ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حقیقت ازلی (Ultimate Reality) کو عقل محض کی پہنچ سے دور سمجھتے ہیں اور عظیم صوفی شاعر رومی کے مانند قوت متخیلہ کے مقابلے میں ایمان کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جس کی علمی حیثیت ایک عملی تجربے کی سی ہے۔ اس لحاظ سے وہ وائیٹ ہیڈ (A.N. White Head) کے اس نظریے کی حمایت کرتے ہیں جس میں انہوں نے مذہب کو ایسے عمومی حقائق کا مجموعہ قرار دیا جنہیں پوری گیرائی سے جان لینے اور پوری سچائی سے مان لینے سے کردار میں ایک انقلاب بپا ہو جاتا ہے۔ اقبال نے مذہب کے اسی عملی پہلو کے پیش نظر اس کے اصولوں کے لیے عقلی بنیادوں کی ضرورت کا احساس اجاگر کیا۔

مذہب اور فلسفے میں مطابقت کا مسئلہ فکر اقبال میں عقل اور وجدان میں باہمی موافقت اور مفاہمت کا رنگ اختیار کر جاتا ہے۔ بظاہر طریقہ کار اور دائرۂ کار کے حوالے سے دونوں میں واضح تفاوت پایا جاتا ہے۔ تاہم ان کا مطمح نظر یکساں اور مشابہ ہے، یعنی حقیقت کی جستجو اور ادراک۔ اسی نقطۂ نگاہ سے اقبال نے معتزلہ کے اس موقف پر تنقید کی ہے جو مذہب کو منطقی تصورات کے قالب میں ڈھال کر ایک منفی نہج پر ڈال دیتے ہیں۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ علم کے میدان میں قوت متخیلہ کو تجربے سے ممیز کرنا ممکن نہیں۔ غزالی سے اقبال کے اختلاف کی بڑی

وجہ بھی یہی ہے جو عقل اور وجدان کے لیے ہیئت اور اطلاق کے حوالے سے مختلف حلقہ ہائے اختیار تجویز کرتے ہیں۔ اسی طرح کانٹ کے برعکس اقبال نے قوت متخیلہ کے دائرۂ عمل کو محدود کرنے کے خلاف دلائل پیش کیے ہیں۔

مذہب اور فلسفے، فکر اور وجدان کے درمیان ارتباط ثابت کرنے کے بعد ہی اقبال کے لیے اسلام کی مذہبی فکر کی جدید خطوط پر تعمیر نو ممکن ہو سکتی ہے، لیکن اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہ ہوگا کہ اقبال نے فلسفے اور مذہب کو برابر کا رتبہ تفویض کر دیا ہے۔ بظاہر اقبال کے فکری نظام (اگر اسے فکری نظام کہا جاسکے تو) میں انسانی زندگی کی ہمہ جہت اور مسلسل ترقی اور نشو ونما کے سلسلے میں داخلی علم (Inner Knowledge) کو ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

ز انجم تا بہ انجم صد جہاں بود
خرد ہر جا کہ پرزد آسماں بود
ولیکن چوں بخود نگریستم من
کران بیکراں درمن نہاں بود
(پیام مشرق)

چنانچہ اقبال نے عقل کے بارے میں کہا کہ ۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے !
(بال جبریل)

اور پھر عشق اور عقل کا موازنہ کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ ۔

غریباں را زیرکی ساز حیات
شرقیاں را عشق راز کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس
کار عشق از زیرکی محکم اساس
عشق چوں با زیرکی ہم بر شود
نقشبند عالم دیگر شود

خیز و نقش عالم دیگر بنہ
عشق را با زیر کی آمیزدہ
(جاوید نامہ)

عشق، ایمان اور داخلی فکر ایسی اصطلاحات ہیں جو فلسفے سے زیادہ مذہبی فکر میں مستعمل ہیں، لیکن اقبال نے جیسے مذہب کی تصویر کشی کی ہے، وہ روشن ضمیر اور ترقی پسندانہ زندگی کا ایک ایسا ضابطہ بھی پیش کرتا ہے جس میں انسان کے لیے دنیا اور عاقبت، ہر دو میں لامحدود امکانات پائے جاتے ہیں۔ در اصل اقبال کا تمام فلسفہ اسلام کی عملی مقصدیت، حقیقت پسندی اور پیہم سعی و عمل کو فکری اور منطقی بنیادیں فراہم کرنے کی ایک جرات مندانہ کوشش ہے۔ اسلام انسانی زندگی کے تجربی، عقلی اور الہامی تینوں پہلوؤں کو اہمیت دیتے ہوئے حقیقی اور تخیلاتی (Real and Ideal) اور مادی اور روحانی کا فرق مٹا ڈالتا ہے۔ چنانچہ یہ نقطۂ نظر قدیم یونانی فلسفے کے خالصتاً نظری طریقہ استدلال اور میکانکی عقلیت پسندی (Mechanical Rationalism) کے رد میں ایک ایسا نظریہ پیش کرتا ہے جس میں عصر حاضر کے انسان دوستی، استقرائی سائنس، اور ارتقائی فلسفے کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کی تشکیل جدید کے عمل میں اقبال نے جدید مغربی فکری روایت (خصوصاً ولیم جیمز) سے اصطلاحات اور استدلال مستعار لیتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کی۔

بلاشبہہ فکر اقبال کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا اسلامی فکری روایت سے اٹوٹ رشتہ اور تعلق ہے۔ خصوصاً جنید بغدادیؒ، سہروردیؒ، الجیلیؒ، مجدد الف ثانیؒ اور رومیؒ وغیرہم کے افکار نے فکر اقبال پر انمٹ اثرات چھوڑے ہیں۔ انہی علماء کے زیر اثر انہوں نے زندگی سے بھرپور متحرک فلسفہ پیش کیا اور معاصر تصوف کے نفس کشی اور ترک دنیا کے رجحانات کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا۔ چنانچہ انہوں نے خدا، خودی، کائنات، جسم و روح کے تعلق اور عقل و عشق کے بارے میں ایسے نظریات پیش کیے جن میں اسلام کو ایک زندہ اور ارتقاء پسند مذہب کے طور پر ایک ترقی پذیر اور متغیر زندگی کا مظہر قرار دیا۔

اقبال کا تصور خودی جو ان کے فلسفے کا اصل محور بھی ہے، ایک فعال عملی زندگی کی نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اسے قوت، کشمکش، تجربات اور افعال کے ایک لگاتار سلسلے سے تشبیہ دیتے ہوئے، نئے مقاصد کی راہنمائی میں ہر آن آگے بڑھتے رہنے کا درس دیتے ہیں۔ دراصل

اقبال کے لیے خودی مستقل اور مسلسل ارتقاء پذیر رہتی ہے جس کے لیے ہمہ وقت نئے سے نئے مقاصد تخلیق ہوتے رہتے ہیں۔

ما ز تخلیق مقاصد زندہ ایم
از شعاع آرزو تابندہ ایم
(اسرار خودی)

زندگی اور عمل کی آپس میں تطبیق کے حوالے سے اسے قانون قدرت کا مقام دیا۔

در عمل پوشیدہ مضمون حیات
لذت تخلیق قانون حیات
(اسرار خودی)

ایک متحرک مذہبی تصور کے تناظر میں تغیر پذیر اور پھلی پھولتی کائنات کی نوعیت کے بارے میں کہا۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکوں
(بال جبریل)

اور پھر۔

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است
(پیام مشرق)

اگر کوئی مذہب بحیثیت ضابطہ حیات فرد اور کائنات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کا دعویدار ہے تو اسے خودی اور دنیا کی نوعیت اور دائرۂ عمل کی مخصوص صورت حال کا مکمل ادراک حاصل کرنا ہوگا' اور یہی طرز عمل مذہب کی عملی کامیابی کا ضامن ہے۔

فکر اسلامی کا ترقی پسندانہ رجحان' قانونی اور سماجی حوالے سے اور زیادہ اجاگر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کے فلسفے میں اصول اجتہاد کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس سلسلے میں وہ معاصر مغربی ناقدین کے اس اعتراض کو غلط قرار دیتے ہیں کہ اسلامی شریعت جمود کا شکار ہے اور اس میں ارتقاء کی گنجائش ناپید ہے۔ اپنے نقطۂ نگاہ کے حق میں وہ اسلام کی ترقی پسندانہ سوچ

اور بامقصد حکمت عملی کو ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں دنیا کے مختلف النوع معاشروں میں اسلامی فکر و عمل کو پنپنے اور قدم بڑھانے میں کبھی دقت پیش نہیں آئی۔ دراصل طلوع اسلام کے وقت عرب معاشرہ خصوصاً اور باقی دنیا عموماً شدید بدحالی کا شکار تھی۔ چنانچہ اسلام کا انسان دوست پیغام اپنی ارفع مذہبی، فکری اور ثقافتی اساس کے باوصف ان زوال پذیر معاشروں کے لیے بڑی دلکشی کا حامل تھا۔ اسلام کی اس انقلابی روح کا اقبال کو مکمل ادراک تھا جس نے چند برس کے قلیل عرصے میں پرانے دور کی فرسودہ اقدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور صدیوں سے مغلوب اور مجبور لوگوں کو انسانی حقوق سے روشناس کروایا، روایات کی چکی میں پسے عام انسان کا سماجی رتبہ بلند کیا اور استحصالی قوتوں کو شکست فاش دی۔ دولت اور سماجی مرتبے کی بنیاد پر قائم امتیازات کا خاتمہ کر کے معاشرتی ناانصافیوں کا ازالہ کیا۔ اسی ترقی پسندانہ اور باعمل اسلام میں اقبال تمام انسانی مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔ اسلام کی، بحیثیت مذہب، عملیت اور مقصدیت پوری کائنات میں، اور کسی بھی معاشرتی ماحول کے ساتھ مطابقت قائم کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اسلام کے آزادی و حریت، سماجی برابری اور انسانی بھائی چارے کے پیغام سے متاثر ہو کر فرد کے لیے جسمانی، ذہنی اور روحانی اختیار کا دعویٰ کیا۔

حریت زاد از ضمیر پاک او
ایں مئے نوشیں چکید از تاک او

ناشکیب امتیازات آمدہ
در نہادِ او مساوات آمدہ
عصر نو کایں صد چراغ آوردہ است
چشم در آغوش او وا کردہ است
(رموز بے خودی)

○